''سحرالبیان'' کا نفسیاتی اور تانیثی مطالعہ

Psychological and Feministic Study of Sehr-ul-Bayan

ڈاکٹرعزیزہ سعید،اسسٹنٹ پروفیسر اردو،لاہور کالج فاروومن یونیورسٹی

Abstract

Meer Hassan's Sehr-ul Bayan is most acknowledged and popular Classical Masnavi of Urdu Literature. It's studied widely, but seldom in light of modern psychological types of personality and in feministic perspective. This article fills the gap and shed new light on the characters of this masnavi.

Key words: Urdu Masnavi, Psychological Study of Characters, Possessiveness, Personality, Feminism, Romantic Love, Passionate Love

اردو کے شعری سرمائے میں ''سحر البیان'' نہایت اہمیت کی حامل ہے۔اگر چہ فی زمانہ مثنوی کی حیثیت محض تاریخی رہ گئی ہے اور جدید اصنافِ شعراور شعری وتنقیدی رویوں نے بہت سی قدیم اصناف پر گرہن طاری کر رکھا ہے جس کی وجہ سے قدیم شعروادب کی جانب خال خال نگاہ ہی اٹھتی ہے۔اگر چہ قدیم اصنافِ ادب کی اہمیت باقی نہیں رہی لیکن ان کے بغیر جدید اصناف تک رسائی اور جدید تر رویوں کا فروغ ممکن بھی نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کلاسیک کا درجہ پانے والے شاہکار ہمیشہ اپنی اصل شکل میں موجود رہتے ہیں۔خواہ اس کے لیے میتھیو آرنلڈ کا وضع کردہ سخت قانون ہی کیوں نہ استعمال کرلیا جائے جو کہتا ہے:

> ''ہر چیز کا دارومدار شاعر کے کلاسیکی کردار کی نوعیت پر ہے۔اگر وہ غیر معتبر کلاسیک ہے تو اسے چھاننا پھٹکنا چاہیے۔اگر وہ غیر صحیح کلاسیک ہے تو اسے رد کر دینا چاہیے۔لیکن اگر وہ حقیقی کلاسیک ہے،اگر اس شاعر کی تصنیف بہترین کے دائرے میں آتی ہے تو ہمارے لیے بہترین کام یہ ہے کہ ہم اسے محسوس کریں اور اس کی تصنیف سے،جس قدر ممکن ہو سکے لطف اندوز ہوں۔''(۱)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے''سحر البیان'' ایک ایسے کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے جسے لگ بھگ ایک صدی تک قبول عام کا درجہ بھی حاصل رہا ہے اور یہ تنقید کے گہرے نشتر بھی برداشت کرتی رہی ہے۔اس کے بہت سے اسباب ہیں جن پر ناقدین کے بیانات دال ہیں لیکن یہاں اس اہمیت کو باور کرانا مقصود نہیں ہے۔اپنے موضوع،اسلوب اور کرداروں کی بدولت''سحر البیان'' نے مثنوی کے ناقدین کی توجہ ہمیشہ اپنی جانب مبذول کروائی

ہے۔اگرچہ اِس کا موضوع آج کے زمانے میں دقیانوسی خیال کیا جاتا ہے اور رجعت پسندی کی طرف مائل بھی نظر آتا ہے جس میں غیر فطری مناظر و ماحول کی بھرمار ہے۔اس میں بادشاہوں کا تذکرہ تو کسی حد تک فطری ہے لیکن ان کے کردار اور اعمال میں اتفاقات کا عمل دخل اس قدر زیادہ ہے کہ موضوع حقیقت سے کہیں دور نکل گیا ہے۔اگرچہ اس کی بڑی وجہ اس عہد کا مذاقِ سخن بھی ہے اور نظریہ ضرورت بھی لیکن اس کے باوصف اس اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ادیب چونکہ اپنے معاشرے کی آواز ہوتا ہے، اس لیے اس کی تحریر میں فطری نہ سہی لیکن عصری صورتِ حال اور حقائق ضرور جھلک پڑتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر تخلیقی ادب کے ماحول اور منظر نگاری سے اس عہد کی تہذیب و ثقافت ڈھونڈنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کرداروں کے رویوں اور اعمال سے عصری رویوں اور اعمال کا کھوج لگانے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔

جہاں تک ''سحر البیان'' کے کرداروں کا تعلق ہے تو ہمیں انسانی کرداروں کے ساتھ ساتھ غیر فطری یا مافوق الفطرت عناصر کی بھیڑ بھی ساتھ ساتھ چلتی دکھائی دیتی ہے اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح مختلف مناظر کو حقیقت میں ڈھونڈنا اور واقعات کی ترتیب اور اتفاقات کی بھرمار سے حقیقی زندگی سے علیحدہ ہو جانا ہے۔یہی وہ وجہ ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے حالی کو یہ کہنا پڑا کہ ''مثنوی اصنافِ سخن میں سب سے زیادہ مفید اور بکار آمد صنف ہے۔''(۲) انہوں نے اسے مفید ہیئت کے اعتبار سے قرار دیا ہے لیکن ''بکار آمد'' کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے:

> ''عشقیہ مثنویوں کا حال بھی جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس زمانے کے مقتضےٰ اور مذاق سے بمراحل دورتر اور بعید تر ہے۔جو قصے ان مثنویوں میں بیان کیے گئے ہیں اُن میں قطع نظر اس کے کہ ناممکن اور فوق العادۃ باتیں اور حد سے زیادہ مبالغہ اور غلو بھرا ہوا ہے، اکثر مثنویوں میں شاعری کے فرائض بھی پورے پورے ادا نہیں ہوئے۔''(۳)

جہاں تک ''سحر البیان'' کے قصے کا تعلق ہے تو اس پر حالی کے اعتراض قبول کیے جا سکتے ہیں لیکن جہاں تک شاعری کے فرائض پورے کرنے کا سوال ہے تو سوائے چند ایک مقامات کے ''سحر البیان'' پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔اس کا ایک سبب خود حالی کے بیان سے بھی واضح ہوتا ہے جنہوں نے شوق کی مثنوی ''لذت شوق'' پر اعتراض کرتے ہوئے خوبی کے طور پر ''سحر البیان'' کا حوالہ دیا ہے۔انہوں نے نسیم، شوق، میر اثر حتیٰ کہ میر تقی میر کی مثنویوں پر کھلے بندوں تنقید کی ہے لیکن ''سحر البیان'' کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اگر اس بات سے قطع نظر کر لی جائے کہ قدیم قصوں کی طرح اس مثنوی کی بنیاد بھی دیو افسانوں پر رکھی گئی ہے تو یہ کہنا کچھ بے جا نہیں ہے کہ میر حسن نے قصہ نگاری کے تمام فرائض پورے پورے ادا کر دیے ہیں۔''(۴)

الطاف حسین حالی کے اس بیان کو عبدالقادر سروری کے اس بیان سے بھی تقویت پہنچتی ہے جو لکھتے ہیں کہ ''متوسط دور میں مثنوی کا معیار لکھنؤ میں در اصل میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کے لکھے جانے کے بعد بلند

ہوا۔‘‘(۵)اور گیان چند کا یہ بیان بھی محلِ نظر رہتا ہے جو کہتے ہیں کہ ’’مثنوی سحر البیان کو جتنی مرتبہ بھی پڑھا جائے ہر بار یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا غیر معمولی فن کار تھا۔‘‘(۶)اس کے باوجود ’’سحر البیان‘‘ کے قصے پر کوئی جاندار رائے قائم کرنا ممکن نہیں ہے لیکن اس کے بعض کردار توجہ جذب کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں، خاص طور پر جب ان کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ کیا جائے تو ان کی آفاقی حیثیت سے چشم پوشی کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

’’سحر البیان‘‘ کے فطری اور غیر فطری کرداروں کی تقسیم بھی تذکیر و تانیث میں مزید کی جاسکتی ہے اور پھر ان کی علیحدہ علیحدہ تشخیص کرنے کے ساتھ ساتھ عمومی رویوں کی تلاش بھی کی جاسکتی ہے۔ تاہم یہ بھی باور ہوتا ہے کہ کلاسیکی فن پاروں کی طرح ’’سحر البیان‘‘ میں بھی نسوانی کردار مردانہ کرداروں پر حاوی ہیں۔ مردانہ کردار محض نسوانی کرداروں کی معاونت کرتے ہی دکھائی دیتے ہیں وگرنہ ان میں مردانگی پائی جاتی ہے اور نہ ہی عقل و دانشوری سے ان کا تعلق ہے۔ وہ مجبورِ محض ہیں اور حرکت و عمل سے عاری ہونے کے ساتھ ساتھ واقعات کے سامنے بے بس اور نسوانی کرداروں کے اشاروں پر ناچنے والے افراد ہیں۔ البتہ ’’سحر البیان‘‘ کے نسوانی کرداروں میں بوقلمونی ضرور پائی جاتی ہے۔ یہ بوقلمونی اُن رویوں کے باعث ہے جس کا اظہار وہ مختلف مردانہ کرداروں کے ضمن میں کرتی ہیں۔ ان نسوانی کرداروں میں ماہ رخ، بدر منیر اور نجم النساء شامل ہیں۔ یہ نسوانی کردار ایک طرف اجتماعی تہذیب کا شکار ہیں تو دوسری طرف انفرادی نفسیات کے حامل بھی ہیں۔ اس طرح ان کرداروں میں اپنے عہد کے رویے بھی جھلکتے ہیں اور عورت کی نفسیات کی بعض خصوصیات بھی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ کردار اپنے عمل اور ردِ عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف خوبیوں یا خامیوں کی حامل ہیں۔ اُن کے عمل اور ردِ عمل کا تعلق اُس نفسیات کے ساتھ ہے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ میر حسن نے دہلوی اور لکھنوی فضا کو اس مثنوی میں یکجا کر دیا ہے۔ اُن کے مردانہ کردار دہلوی بادشاہوں کی کاہلی، سستی اور مردانگی کے جوہر سے عاری شخصیات کی نمائندگی کرتے ہیں جب کہ نسوانی کردار لکھنوی خاص طور پر فیض آباد کے تہذیب و تمدن میں طبقۂ نسواں کے تحرک اور نسبتاً آزادہ روی کو پیش کرتے ہیں۔ اس کا ایک سبب طوائف کا ادارہ تھا جہاں بچوں کو ابتدائے عمر میں تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجا جاتا تھا یا پھر انھیں اس مقصد کے لیے امرا اور رؤسا اپنے گھروں پر بلا لیتے تھے۔ اگرچہ مجموعی طور پر لکھنؤ یا فیض آباد کی فضا میں عورت کی حیثیت ہندوستان کی عمومی عورت جیسی تھی لیکن تعلیم و تربیت کا منبع ہونے کی بنا پر انھیں ایک خاص مقام بھی حاصل تھا۔ ’’امراؤ جان ادا‘‘ اور ’’شامِ اودھ‘‘ جیسے ناول بھی اسی امر کے غماز ہیں۔ عورت کی یہ معاشرتی حیثیت ہمیں ماہ رخ کے کردار میں دکھائی دیتی ہے۔ اسے پری کی صورت میں پیش کرنا میر حسن کے لیے ضروری بھی تھا اور قصے کی مجبوری بھی کیونکہ اس کے بغیر وہ مقاصد حاصل نہ ہو پاتے جو قصہ نویس چاہتا تھا۔ میر حسن کا مقصد ایک ایسی عورت کا کردار پیش کرنا تھا جو معاشرتی حیثیت سے طاقت کی حامل ہو۔ فیض آباد کی فضا میں ایسا کردار طوائف کا ہی ہو سکتا تھا لیکن داستان میں طوائف کو پیش کرنا میر حسن کے لیے آسان نہ تھا۔ اس کا ایک سبب تو اُن کی ابتدائی تربیت کا دہلی کے ساتھ وابستہ ہونا تھا جہاں کے ثقافتی عناصر اُن کی شخصیت میں گندھے ہوئے تھے۔ دوسرا سبب یہ تھا طوائف کا

ادارہ یہاں کثیر الجہتی (Multi Dimensional) صفات کا حامل تھا جس کی ضرورت اور اہمیت سے اس خاص ماحول میں انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ایک طوائف کے پاس فوق الفطرت عناصر اور طاقتوں کا ہونا ناممکن ہے اور اس عہد کی ادبی فضا ایسی کسی کمزوری کی متحمل نہیں تھی۔ جن، پری، دیو، بھوت اور دیگر کئی عناصر داستانوں کا خاصا خیال کیے جاتے تھے۔ ماہ رخ کے غلام جنات کو طوائفوں کے اُن کارندوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو اپنے کوٹھوں کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار اور نائکہ کے حکم سے سرتابی گناہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ماہ رخ کے رویے سے واضح طور پر عیاں ہوتا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بہت طاقتور ہے۔ تاہم اس کی طاقت اسی وقت تک کارگر ہے جب تک اسے خود سے طاقتور کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ جیسے ہی اسے فیروز شاہ جیسی بڑی طاقت سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کی مقابلہ کرنے کی سکت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ نفسیاتی طور پر ایک کمزور عورت کے روپ میں سامنے آتی ہے اور تریاہٹ کی تمام صفات سے یکسر عاری دکھائی دیتی ہے۔ وہ فیروز شاہ کی دھمکیوں کا نہ جواب دیتی ہے اور نہ ہی کسی طرح کی مزاحمت کرتی ہے۔ یہاں پر اس کا کردار ایک عام عورت کا کردار بن کر ابھرتا ہے جو اپنے باپ اور بدنامی سے بہت جلد خوف زدہ ہونے والی ہے۔

گیا ماہرخ کو یہ فرمان جب
ہوئی خوف سے وہ پریشان تب
کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی
کہو اس کو لے جائے یاں سے کوئی
اگر اب میں لاگو ہوں اس کی کبھی
تو پھر پھونک دیجیو مجھے تم جبھی
پر اتنا یہ احساں مجھ پر کرو
کہ اس کا پرستان میں چرچا نہ ہو
مرے باپ کو یہ نہ ہووے خبر
کہ پھر میں نہ ایدھر کی ہوں نہ اُدھر(۷)

اس طرح ماہ رخ کا کردار اپنی شخصیت کے حوالے سے تضاد کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ وہ ایک طرف تو ماہ رخ سے محبت کا دم بھرتی ہے اور دوسری طرف بدنامی سے بھی ڈرتی ہے۔ اس لیے اس کے جذبے کی صداقت کا پول کھل جاتا ہے اور وہ محض دل لگی کرنے اور ذاتی تسکین میں محو دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ماہ رخ کا کردار ہومر کی شہرہ آفاق رزمیہ نظم اوڈیسی (Odessey) کے ایک اہم کردار کیلپسو (Calypso) سے ملتا جلتا ہے۔ وہ سمندر کی دیوی ہے اور اوڈیسیئس پر اسی طرح فریفتہ ہے جس طرح ماہ رخ شہزادہ بے نظیر پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔

کیلپسو چاہتی ہے کہ اوڈیسیئس اپنی بیوی پینی لوپ کو بھول کر اس کا ہو رہے۔ چنانچہ اسی مقصد کی خاطر وہ اسے اپنے جزیرے کی بھول بھلیوں میں الجھائے رکھتی ہے۔ اگر چہ ماہ رخ بدر منیر اور بے نظیر کے تعلقات کا علم ہونے کے بعد اسے ایک کنویں میں قید کر ڈالتی ہے لیکن اسے کسی طرح کی آزمائش میں نہیں الجھاتی۔ تاہم ماہ رخ اور کیلپسو میں مشابہت جزوی ہے جو رویے کی حد تک محدود ہے۔

ماہ رخ کا کردار نفسیاتی حوالے سے عورت کے تصورِ ملکیت (Possessiveness) کا غماز ہے۔ جس طرح عورت کو اپنی ہر چیز عزیز ہوتی ہے اور وہ اکثر اپنی چیزوں کے اشتراک سے کتراتی ہے، اسی طرح وہ شہزادے بے نظیر کے معاملے میں کسی سمجھوتے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ صرف یہی نہیں ہندوستانی عورت کے خمیر میں اپنے شوہر کے واحد مالک ہونے کی خواہش بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اگر چہ لکھنوی تہذیب میں ایسا ممکن نہ رہا تھا لیکن دہلوی تہذیب میں یہ امر کسی طور پر موجود تھا۔ اس لیے میر حسن نے ماہ رخ کے کردار میں دونوں تہذیبی صفات یکجا کر دی ہیں۔ تاہم نفسیاتی حوالے سے بھی ماہ رخ کا کردار دوہری شخصیت کا حامل ہے۔ اس کے اندر ایک طرف تو تصورِ ملکیت سر ابھارتا ہے اور وہ شہزادہ بے نظیر کو پہلے اٹھا کر بھی لے جاتی ہے اور پھر بدر منیر سے ملاقات کی پاداش میں کنویں میں قید بھی کر ڈالتی ہے۔ یہاں اس کی تریاہٹ واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ وہ بے نظیر کی واحد مالک بن کر رہنا چاہتی ہے اور اس کا بدر منیر سے ملنا گوارا نہیں کرتی جب کہ بے نظیر کا بدر منیر کی طرف راغب ہونا اس کی انا (Ego) کو شکست سے دوچار کرتا ہے۔ اسی انا شکستگی کی وجہ سے وہ بے نظیر پر ہر ظلم کرنے کے لیے تیار ہے ورنہ اس سے قبل وہ بے نظیر کو اپنانے کے لیے کل کے گھوڑے سے بہلانے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس کا ملکیت کا تصور ایک عورت کے مقابلے میں تھا جو اس سے کمزور اور ہر حوالے سے لاچار تھی لیکن جیسے ہی اس کا مقابلہ ایک مرد (فیروز شاہ) سے ہوا جو طاقت میں اس سے بڑھ کر تھا، اس کا تصورِ ملکیت، اس کی انا پرستی اور اس کی محبت؛ سب کچھ ایک ہی ہلے میں خاک کا ڈھیر بن کر رہ گیا۔ نفسیاتی حوالے سے ایک طرف اسے اپنی طاقت کا شعور ہے اور دوسری طرف اپنی کمزوری کا علم بھی ہے۔ اسی لیے وہ بے نظیر کے خلاف تو طاقت کا استعمال کرتی ہے اور دوسری طرف فیروز شاہ کے سامنے خاک کا ڈھیر ہو جاتی ہے۔ طاقت کے شعور کے حوالے سے Journal of Personality کے ایک مقالے کے مطابق:

> "Power considerations are ubiquitous in interpersonal relationships, emerging among workplace colleagues, neighbours, friends, family members, and even romantic partners."(۸)

چنانچہ ماہ رخ کا کردار بے نظیر کے حوالے سے اپنی طاقت کا بھرپور اظہار اسی لیے کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے رومانٹک پارٹنر پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسی طرح فیروز شاہ کا کردار بھی اپنے طاقت کا شعور رکھتا ہے اور اس کا برمحل استعمال

کرتا ہے۔اس کی طاقت نجم النساء کے سامنے اظہار نہیں پاتی لیکن ماہ رخ کے سامنے وہ پوری طاقت کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ماہ رخ کی طاقت اس کے کسی کام نہیں آتی لیکن فیروز شاہ کی طاقت سے نجم النساء، بدر منیر اور بے نظیر کے ضرور کام آتی ہے۔

ماہ رخ کے مقابل میں مثنوی ''سحر البیان'' میں دو کردار آتے ہیں۔جن میں سے ایک کردار شہزادی بدر منیر کا ہے اور دوسرا نجم النساء کا ہے۔بدر منیر کا کردار اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بے نظیر کے کردار کی طرح غیر فعال اور غیر متحرک ہے۔دونوں کردار مرکزی ہونے کے باوجود اپنے اندر کوئی کشش اور جاذبیت نہیں رکھتے۔ان کے درمیان محبت کی قدر مشترک ہے لیکن یہ ابتدائی طور پر ان کی محبت رومانوی (Romantic Love) نوعیت کی ہے جس میں جنسیت کا عنصر بہت نمایاں ہے۔محبت کی اس نوع میں انسان کے تمام جذبات اور احساسات جنس کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں اور وہ تہذیبی عناصر کو پس پشت ڈال کر جنسی آسودگی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ان کا آپس میں اختلاط اور کھل کھیلنے کا عمل اُن کے پرسونا کا باعث ہے اور:

> ''پرسونا انسان کا ذاتی لاشعور ہے۔اس میں وہ تمام غیر مہذب خواہشیں اور جذبات ہوتے ہیں جو معاشرتی معیار کے مطابق نہیں ہیں اور نہ ہی ہماری مثالی شخصیت کے معیار پر پورے اترتے ہیں، وہ سبھی کچھ جن کا ہونا ہمارے لیے شرمناک ہوتا ہے اور وہ سبھی کچھ جو ہم اپنے بارے میں جاننا بھی نہیں چاہتے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر تنگ نظر معاشرے میں ہمارا قیام ہوگا، جس قدر پابندیوں میں جکڑی ہوئی زندگی ہم گزارتے ہیں، اسی حساب سے ہمارا شیڈو (سایا) بڑا ہوتا چلا جائے گا۔''(۹)

چنانچہ بدر منیر اور بے نظیر کا چھپ چھپ کر ملنا اور ہم آغوش ہونا معاشرتی جکڑ بندیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خواہشات کا اظہار ہے۔مشرقی تہذیب وثقافت میں تمام تر خامیوں کے باوجود مخلوط محفلوں اور مخالف جنس کا میل جول غیر مناسب ہی نہیں معیوب اور قابل معتوب گردانا جاتا ہے۔اسی کا ایک پرتو ماہ رخ کے کردار میں بھی ہوتا ہے جو اپنے کرتوت کے چرچے سے خوفزدہ ہے۔اس کے برعکس بدر منیر کے کردار کی ابتدائی جھلک سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بہت شرمیلی لڑکی ہے۔اس لیے بے نظیر کے قریب جانے سے کتراتی ہے اور جب اس کے قریب بھی جاتی ہے تو اس میں جھجک کے آثار بہت واضح تھے۔اس جھجک اور شرم کو دور کرنے کے لیے نجم النساء شراب کا سہارا لیتی ہے۔بدر منیر کے ساتھ ساتھ بے نظیر کے کردار میں بھی ابتدائی طور پر یہ خوبی پائی جاتی ہے اور اس کی یہ خوبی زیادہ اہمیت کی حامل ہونا چاہیے کیونکہ وہ ماہ رخ کے ساتھ بوس کنار میں ملوث رہنے کے باوجود بدر منیر کی طرف نظر اٹھانے اور ہاتھ بڑھانے سے گریز کرتا دکھائی دیتا ہے۔ان دونوں کے کردار کا یہ پہلو اس تہذیب وثقافت سے تعلق جس سے میر حسن خود وابستہ رہے ہیں اور یہ پرسونا کرداروں کے ساتھ ساتھ میر حسن کی نفسیات سے تعلق رکھتا ہے۔چونکہ اُن کی زندگی کا ابتدائی حصہ دہلی میں گزرا تھا اور وہ جوانی کے عالم میں وہاں سے نکلے تھے۔گویا اس عہد تک انہوں نے معاشرتی

اور ثقافتی جکڑ بندیوں کا مقابلہ کیا تھا لیکن لکھنؤ اور بعدازاں فیض آباد بھی اس قدر ترقی یافتہ نہ ہوئے تھے کہ عام آدمی کھل کھیلنے کی کوشش کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بے نظیر اور بدرمنیر کی صورت میں میرحسن کا پرسونا ظہور پاتا ہے جس کا سایا (Shadow) ماہ رخ اور بے نظیر کے تعلق کے دوران تو بہت ہی معمولی سا دکھائی دیتا ہے لیکن بدرمنیر اور بے نظیر کے تعلق کے دوران میں کافی بڑا اور واضح ہو جاتا ہے۔ بدرمنیر اور بے نظیر کی محبت ابتدائی طور پر Romantic Love دکھائی دیتی ہے جو جلد ہی Passionate Love کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ کیرولن جوائس کے مطابق:

> "Passionate love" has many of the same positive features as romantic love, however it also includes feelings of uncertainity and anxiety."(۱۰)

چنانچہ بدرمنیر اور بے نظیر کی محبت میں غیر یقینی اور خوف کے عناصر واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک طرف بدر غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار ہے اور بدرمنیر کو پانے کی کوئی ترکیب اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ غم کی کیفیت سے دوچار ضرور ہوتی ہے لیکن اپنی محبت کو پانے کا جتن کسی طور نہیں کرتی۔ اس کے غم کا اندازہ اِن اشعار سے بخوبی ہو سکتا ہے:

پلا ساقیا ساغرِ بے نظیر
پھنسی دامِ ہجراں میں بدر منیر
وہ حسن و جوانی اور اس پہ یہ غم
ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم
جہاں بیٹھنا آہ کرنا اسے
بہانہ نزاکت پہ دھرنا اسے
کبھی خون آنکھوں سے رو ڈالنا
کسی کو کبھی دیکھ دھو ڈالنا(۱۱)

جب نجم النساء بے نظیر کو طرح طرح کے منفی القابات سے نوازتی ہے تو بدرمنیر اُس کی زبان بندی کا اہتمام تو کرتی ہے لیکن عملی طور پر اس کے پاس کوئی ایسا منصوبہ موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ بے نظیر کے حال سے باخبر ہو سکے یا اس کا پتہ چلا سکے۔ اس لیے اس کا کردار مجہول اور حرکت و عمل سے عاری نظر آتا ہے۔ وہ نہ صرف مجبورِ محض دکھائی دیتی ہے بلکہ نجم النسا کی باتوں پر عموماً بے چون و چراں عمل کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے داستان میں اس کا کردار محض حسن و خوبصورتی کا مرقع بنا رہتا ہے یا پھر رئیس زادیوں کی عیش پرست زندگی کا۔ عشق کی تڑپ تو اس میں ضرور پائی جاتی ہے لیکن معاشرتی جکڑ بندیوں اور گھریلو پابندیوں کی بنا پر وہ برصغیر کی ایسی عام عورت دکھائی دیتی ہے جو اپنے تمام جذبات و احساسات کو دل کے نہاں خانہ میں چھپا کر گھٹن کی زندگی بسر کرنے پر مجبور رہتی ہے۔ اس طرح اس کا کردار مقامی تہذیب و معاشرت کا حقیقی پرتو بھی معلوم ہوتا ہے اور ''سحرالبیان'' میں تہذیب و معاشرت کے

حوالے سے ڈاکٹر تبسم کاشمیری بیان کرتے ہیں:

''میر حسن کی تمثالیں اپنے دور کی تہذیب و معاشرت کے ساتھ ربطِ معنی اور ہم آہنگی کا رشتہ کس سطح پر استوار کرتی ہیں، اس کا اندازہ ان کی تمثال سازی کو دیکھ کر ہی کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن ان تمثالوں کے حوالے سے اپنے عہد کو دریافت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ شہزادے کی پیدائش، خانہ باغ، شہزادے کی سواری، بے نظیر و بدر منیر کی ملاقات اور دیگر موضوعات کے حوالے سے وہ بار بار اپنے عہد میں سفر کرتا ہے۔ وہ قدم قدم پر اس تہذیب و معاشرت کے مظاہر کی بے پایاں محبت میں مسحور نظر آتا ہے۔''(۱۲)

چنانچہ ایک طرف تو بدر منیر معاشرتی جکڑ بندیوں کا شکار ہو کر Passionate love میں مبتلا ہے اور دوسری طرف Romantic love کی دل آویزیوں کو دوبارہ سے حاصل کرنے کے لیے Passionate love کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ شہزادہ بے نظیر بھی غیر یقینی صورتِ حال کا شکار ہے۔ اس کے اندر ایسی کوئی خاصیت نہیں پائی جاتی جو اسے داستان کا ہیرو سمجھنے پر مجبور کر دے۔ وہ مرکزی کردار ہوتے ہوئے بھی جاندار کردار نہیں ہے اور لکھنوی معاشرے کی مجہولیت کی علامت ہے۔ اگرچہ بدر منیر کا کردار بھی بہت کمزور ہے لیکن بے نظیر کا کردار صرف کمزور ہی نہیں بودا بھی ہے اور شاید میر حسن نے جان بوجھ کر اسے ایسا بنایا ہے کیونکہ بدر منیر کی بے قراری کے حوالے سے تین دفعہ موضوع کھینچا گیا ہے لیکن بے نظیر کی بے قراری کے حوالے سے کوئی موضوع خاص نہیں کیا گیا۔ یوں دنیا بھر کی داستانوں کے مقابلے میں کہیں اس کی جگہ نہیں بنتی۔ نہ اس کی تڑپ کا ذکر ہے اور نہ کسی حرکت و عمل کا۔ نہ اس میں فرہاد کی سی کوشش اور جستجو ہے اور نہ رانجھے جیسے چال بازی اور منصوبہ بندی اور یہاں تک کہ وہ مجنوں کی سی گریہ وزاری سے بھی بے بہرہ ہے۔ وہ ہر جگہ پر خاموش تماشائی بنا رہتا ہے۔ اپنے گھر میں وہ تعلیم اور دیگر کمالات سے ضرور بہرہ ور ہوا لیکن ماہ رخ کے اٹھا کر لے جانے پر نہ غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے اور نہ وہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب ایسی سوچتا ہے جیسا کہ اوڈیسئیس نے سوچی تھیں اور بالآخر وہ اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کل کے گھوڑے کو بھی بے نظیر اپنے کسی ایسے مصرف میں لانے سے قاصر ہے جو اُس کی رہائی کا سبب بن سکے۔ بدر منیر کے سامنے بھی وہ گھگو گھوڑا بنا رہتا ہے اور عیش پرستی کے سوا کچھ ترکیب نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے آخر میں جب وہ کنویں میں قید کر دیا جاتا ہے تو بالکل بے دست و پا اور ضعیف دکھائی پڑتا ہے۔ چنانچہ وہ Romantic love سے حظ تو اٹھاتا ہے لیکن بدر منیر کی طرح Passionate love کا شکار دکھائی نہیں ہوتا کیونکہ نہ تو اسے کسی امر کا خوف ہے اور نہ کسی جذبے یا واقعے کے تحت وہ غمگین ہے۔

''سحر البیان'' میں عام طور پر نجم النساء کے کردار کو متحرک اور مثبت حوالے سے پیش کیا جاتا ہے جس کے اسباب بھی بے شمار ہیں۔ جن کا لب لباب ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ایک جملے میں یوں پیش کیا ہے: ''نجم النساء دراصل داستانی (Legendary) عورت ہے۔''(۱۳) چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ نجم النساء لکھنوی معاشرے کی ایک مثالی

عورت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اگر چہ حقیقت میں ایسی عورتوں کی مثالیں ڈھونڈنا ہندوستانی تہذیب و معاشرت میں بہت مشکل ہے لیکن اس امر سے صرفِ نظر بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ میر امن کی دختر وزیر بھی میر حسن کی وزیر زادی سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ ''قصہ چہار درویش'' کی دختر وزیر بھی بھیس بدل کر اپنے مقصد کی بر آوری کے نکلتی ہے اور نجم النساء بھی یہی حربہ اختیار کرتی ہے۔ جہاں ''سحر البیان'' میں نجم النساء داستان کو فیصلہ کن اور دلآویز انجام سے دو چار کرنے میں مصروف نظر آتی ہے، وہیں دختر وزیر کی بدولت ہی قصہ دلآویز انجام سے روشناس ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں کردار باہم اشتراک کے حامل ہیں۔ نجم النساء کے کردار میں ظاہر طور پر ایک تضاد بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بدر منیر کو عشق و محبت کے کھیل میں کھل کھیلنے پر مائل کرتی ہے اور اس مقصد کے لیے شراب تک استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتی لیکن فیروز شاہ کی قربت کے باوجود وہ خود کو جنسیت سے لبریز نہیں کرتی۔ اس لیے اس کی محبت میں جہاں ایک طرف خود غرضی اور مطلب پرستی پائی جاتی ہے، وہیں وہ Passionate love سے اجتناب کرتی بھی دکھائی دیتی ہے۔ یقیناً اس کی نفسیات میں بدر منیر کی ذہنی اور جذباتی حالت کا شعور موجود ہے جو بے نظیر کے فراق میں گھل رہی تھی۔ اگر چہ بدر منیر کی اس حالت کا محرک وہ خود تھی، اس لیے اسے اس کیفیت سے نکالنے کے لیے جتن بھی وہی کرتی ہے۔ گویا اس کے اندر احساسِ ندامت لاشعوری طور پر ضرور موجود ہے جسے وہ کمال مہارت سے احساسِ ذمہ داری میں تبدیل کر لیتی ہے۔ اسی احساسِ ذمہ داری کے سبب وہ جوگن کا بھیس بھی بدلتی ہے اور فیروز شاہ کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتی ہے۔ فیروز شاہ بھی اس پر فریفتہ ہونے کے باوجود جنسی قربت سے گریز کرتا ہے اور اس کی رضامندی کا متمنی ہے۔ اس کا یہ رویہ نفسیاتی حوالے سے Compassionate love کہلاتا ہے جس کے بارے میں سوسن سپریچر اور بیورلی فہر نے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا ہے:

> "Compassionate love is an attitude toward other(s), either close others or strangers or all of humanity, containing feelings, cognitions, and behaviors that are focused on caring, concern, tenderness, and an orientation toward suuporting, helping, and understanding, the other(s), particularly when the other(s) is (are) perceived to be suffering or in need."(۱۴)

چنانچہ فیروز شاہ کے کردار سے Compassionate love کا واضح اظہار ہوتا ہے جو کہ Passionate love سے متضاد رویے کا حامل ہے۔ آخر الذکر میں جنس کو اولیت حاصل ہوتی ہے اور اس میں ملوث افراد غیر یقینی صورتِ حال کے ساتھ ساتھ بے چینی (Anxiety) کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ کوئی ایک فریق یا دونوں فریق جنس کو منتہائے مقصود سمجھتے ہیں اور لذت آفرینی کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ یہ رویہ بہت حد تک بدر منیر کی شخصیت میں پایا جاتا

ہے اور خال خال بےنظیر کے کردار میں۔ جب کہ اول الذکر میں احساس کا عنصر نمایاں ہوتا ہے اور ایک یا دونوں فریق ایک دوسرے کو سمجھنے، مسائل کا ادراک کرنے اور ان کو حل کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں فریق ثانی کی خواہشات کا احترام مقدم ہوتا ہے اور جنسیت کی طرف کشش محدود ہوتی ہے۔ چنانچہ فیروز شاہ کا کردار محبت کی اسی قسم کا حامل ہے۔ وہ باوجود نجم النساء کی ذات کے اسیر ہونے کے، اس کی قربت کی خواہش نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر اس حوالے سے دباؤ ڈالتا ہے بلکہ اس عمل کے لیے وہ سیدھے طریقے یعنی شادی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ تاہم اس کی محبت یک طرفہ ہی دکھائی دیتی ہے جس میں خلوص کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ اس کے برعکس نجم النساء کے کردار میں ایسے جذبات مفقود دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا محض ایک مقصد ہے اور وہ شہزادہ بےنظیر کی بازیابی اور بدر منیر کے ساتھ اُس کا ملن ہے۔ اسی مقصد کی خاطر وہ اپنے حسن کو ہتھیار بنا کر فیروز شاہ کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ وہ اپنی خوبیوں کے بارے میں باخبر ہے اور ان خوبیوں کو جس طور جس مقام پر استعمال کرنا ہے، اس کا مکمل ادراک رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ فیروز شاہ کی نفسیات پر بھی اسے عبور حاصل ہے۔ وہ بطور انسان اپنے حسن کے جلووں اور بین بجانے کے ہنر کو برمحل بروئے کار لاتی ہوئی فیروز شاہ کے دل میں اتر جاتی ہے۔ گویا اسے اپنے عورت ہونے کا بھی احساس ہے اور اِس عورت کے استعمال سے بھی وہ باخبر ہے۔ میر حسن نجم النساء کی عشوہ طرازیوں اور فیروز شاہ کی سادہ دلی کو اس طور پر رقم کرتے ہیں:

کبھی ہنس کے دیکھا ذرا خوش کیا
کبھی ہو کے غمگین ناخوش کیا
کبھی منھ چھپایا ، دکھایا کبھی
کبھی مار ڈالا ، جلایا کبھی
لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا دیا
کبھی ساتھ بالوں کے سٹکا دیا
وہ ہر چند آنکھیں دکھاتی رہی
پہ نظروں میں دل کو لبھاتی رہی
بچارا پری زاد وہ سادہ دل
ادائیں یہ انسان کی مستقل
اسی طرح مدت گئی جب اسے
چڑھی گرمیٔ عشق کی تپ اسے
نہ منھ پر وہ عالم رہا اور نہ نور
کئی دن میں دل ہو گیا چور چور
جگر خون جو آنکھوں سے آیا اُبل

گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل(۱۵)

ان اشعار سے یہ بات واضح ہے کہ نجم النساء کو اپنے عورت ہونے کا ہی نہیں خوبصورت اور دلربا ہونے کا بھی مکمل احساس ہے۔اسی لیے وہ اپنی ان خوبیوں کی مدد سے نہ صرف فیروز شاہ پر حاوی ہو جاتی ہے بلکہ اُس کے خلوص اور نیک نیتی کو صحیح طور پر کام میں لاتے ہوئے بے نظیر کو بازیاب کرانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔نجم النساء کا کردار برصغیر کے نسوانی حوالے سے گھٹن زدہ ماحول میں امید کی ایسی کرن بن کر ابھرتی ہے جو ہمت، حوصلے اور کاوش کی دعوت دیتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ خود غرضی اور مطلب پرستی جیسی منفی صفات کی حامل ہونے کے باوجود وہ قارئین اور ناقدین کی توجہ کھینچنے میں مکمل طور پر کامیاب رہتی ہے۔

مجموعی طور پر ''سحر البیان'' کے تمام اہم کردار کسی نہ کسی نفسیات کیفیت کے زیر اثر ہیں۔کچھ کرداروں میں یہ کیفیات منفی نوعیت کی حامل ہیں تو کچھ کرداروں میں مثبت نفسیاتی رویے بھی پائے جاتے ہیں۔خاص طور پر مثنوی کے نسوانی کردار نہ صرف برصغیر کی تہذیب و معاشرت سے وابستہ ہیں بلکہ اُن کے بعض رویے اُن کے کرداروں کے نفسیاتی رویوں کے ساتھ اجتماعی نفسیات کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔میر حسن اپنے کرداروں کی مدد سے مختصر مگر جامع انداز میں برصغیر کی سماجی صورتِ حال پیش کرنے کے ساتھ ساتھ نسوانی نفسیات کو خاص طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔مردانہ کرداروں میں سے فیروز شاہ کا کردار حقیقت کے بہت قریب اور مثبت نفسیاتی رویوں کا حامل ہے۔تاہم اس کی خوبیاں ذاتی ہونے کے باوجود نجم النساء کی بدولت آشکار ہوتی ہیں اور نجم النساء ایسا کردار ہے جسے بنانے اور سنوارنے میں میر حسن نے شعوری یا لاشعوری طور پر بہت محنت کی ہے۔

حواشی:

۱۔ آرنلڈ میتھیو،شاعری کا مطالعہ،مشمولہ:ارسطو سے ایلیٹ تک،مترجم ومرتب:ڈاکٹر جمیل جالبی،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۷۷ء)،ص۳۵۴۔

۲۔ حالی،الطاف حسین،مقدمہ شعروشاعری(لکھنؤ:اترپردیش اردو اکادمی،۱۹۹۳ء)،ص۱۹۲

۳۔ ایضاً،ص۱۹۳۔۱۹۴

۴۔ ایضاً،ص۲۲۲

۵۔ سروری،عبدالقادر،اردو مثنوی کا ارتقا(علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۲۰۰۴ء)،ص۱۲۱

۶۔ گیان چند جین،اردو مثنوی:شمالی ہند میں،(دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،۱۹۸۷ء)،ص۳۱۹

۷۔ میر حسن دہلوی،مثنوی سحر البیان(لاہور:عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۶۳ء)،ص۱۱۲

۸۔ Anderson, Cameron, P. John, Oliver and Keltner,Dacher, 'The Personal Sense of Power',*Journal of Personality* 80, no. 2 (April 2012) p 313.

۹۔ شہزاد احمد،ژونگ:نفسیات اور مخفی علوم(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۷ء)،ص۶۳

۱۰۔ Joyce,Carolyn, 'Fantasy Bond, Love, Relationships', www.psychalive.org

۱۱۔ میر حسن دہلوی،''مثنوی سحرالبیان''،ص ۹۳

۱۲۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،اردو ادب کی تاریخ:ابتدا تا ۱۸۵۷ء(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء)،ص ۴۲۰

۱۳۔ ایضاً،ص ۴۱۹

۱۴۔ Sprecher, Susan and Fehr, Beverley, 'Compassionate love for close others and humanity', *Journal of Social and Personal Relationships* 22 , no.5, (2005): 629-630.

۱۵۔ میر حسن دہلوی،''مثنوی سحرالبیان''،ص ۱۰۷۔۱۰۸

مآخذ:

۱۔ جالبی،ڈاکٹر جمیل،مترجم ومرتب۔ارسطو سے ایلیٹ تک۔دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۷۷ء۔

۲۔ حالی،الطاف حسین۔مقدمہ شعروشاعری۔ لکھنؤ:اترپردیش اردو اکادمی،۱۹۹۳ء۔

۳۔ سروری،عبدالقادر۔اردو مثنوی کا ارتقا۔علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۲۰۰۴ء۔

۴۔ گیان چند۔اردو مثنوی:شمالی ہند میں۔ دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،۱۹۸۷ء۔

۵۔ میر حسن دہلوی۔مثنوی سحرالبیان۔لاہور:عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۶۳ء۔

۶۔ شہزاد احمد۔ژونگ:نفسیات اور مخفی علوم۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۷ء۔

۷۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر۔اردو ادب کی تاریخ:ابتدا تا ۱۸۵۷ء۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء۔

8. Anderson, Cameron, P. John, Oliver and Keltner,Dacher, 'The Personal Sense of Power',*Journal of Personality* 80, no. 2 (April 2012): 313-344.

9. Sprecher, Susan and Fehr, Beverley, 'Compassionate love for close others and humanity', *Journal of Social and Personal Relationships* 22 , no.5, (2005): 629-651.

10. Joyce,Carolyn, 'Fantasy Bond, Love, Relationships', www.psychalive.org